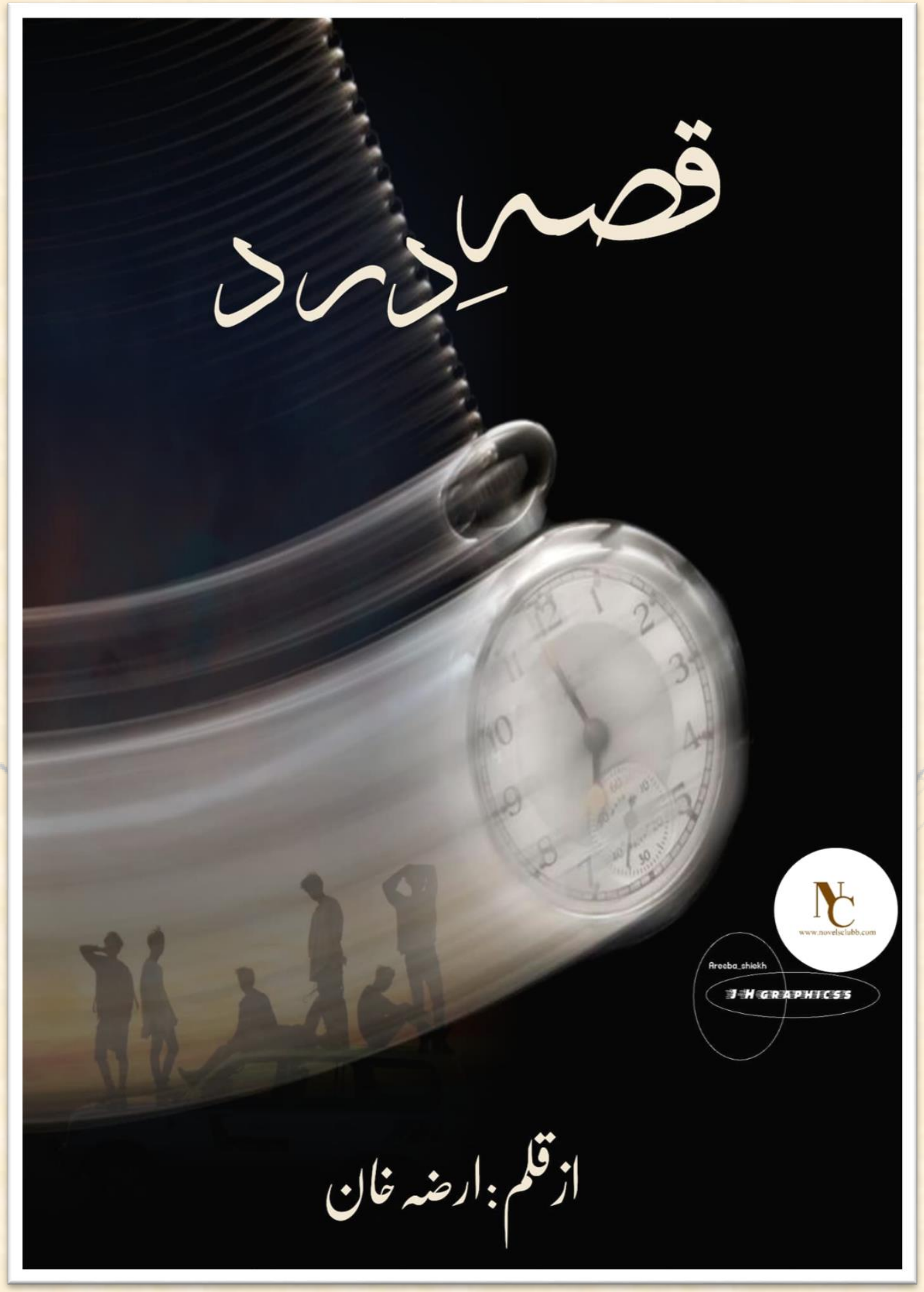
قصہِ درد
از قلم: ارضہ خان
Areeba_shiekh
J H GRAPHICSS

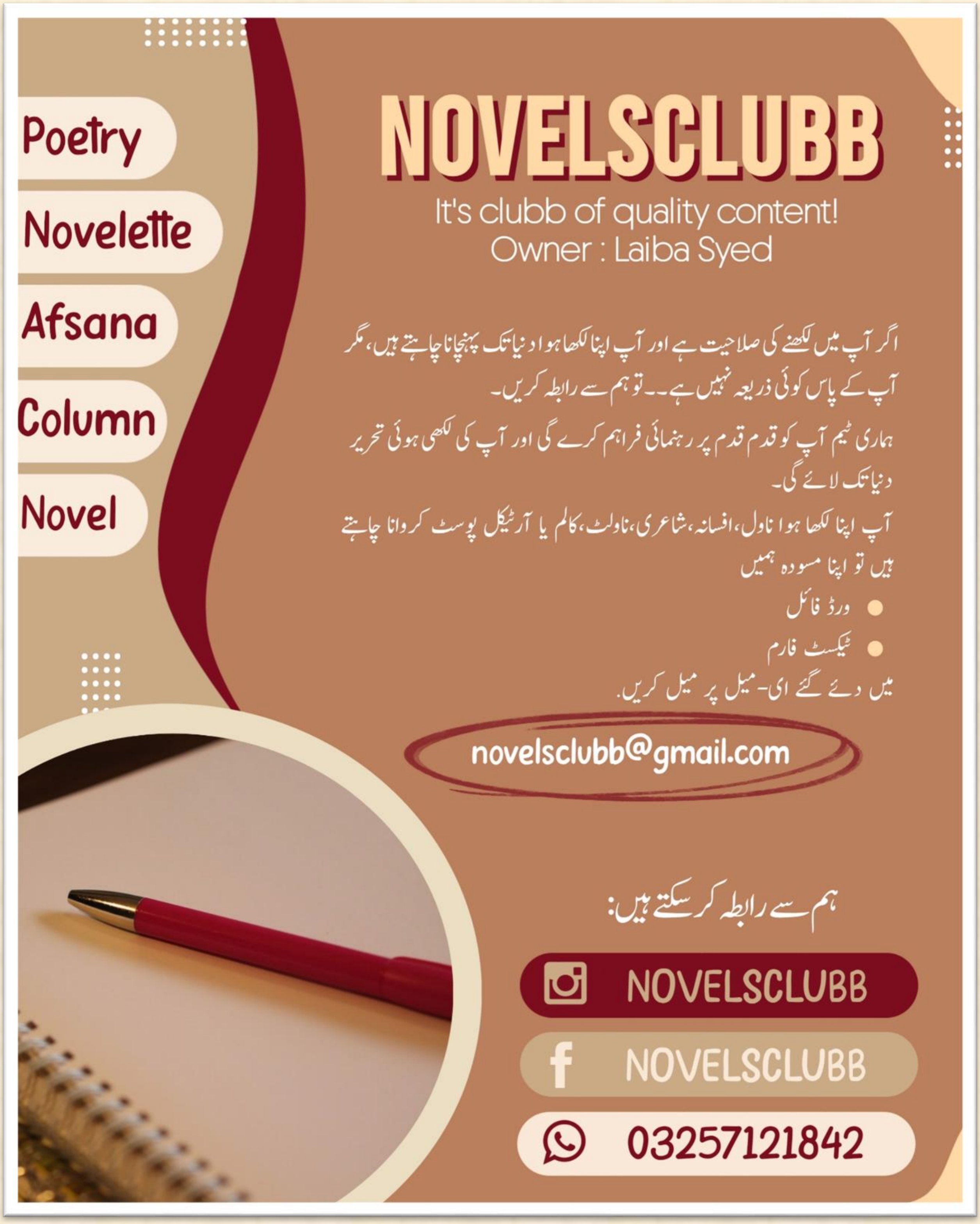
Poetry
Novelette
Afsana
Column
Novel
NOVELSCLUBB
It's clubb of quality content!
Owner : Laiba Syed
اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔تو ہم سے رابطہ کریں۔
ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔
آپ اپنا لکھا ہوا ناول،افسانہ،شاعری،ناولٹ،کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں
ورڈ فائل
ٹیکسٹ فارم
میں دئے گئے ای-میل پر میل کریں.
novelsclubb@gmail.com
ہم سے رابطہ کرسکتے ہیں:
NOVELSCLUBB
NOVELSCLUBB
03257121842

قصہ درد

از قلم

ارضہ خان

Clubb of Quality Content

ناول "قصہ درد" کے تمام جملہ حق لکھاری "ارضہ خان" کے نام محفوظ ہیں۔ کہانی کا کوئی بھی حصہ کسی بھی صورت میں کسی دوسرے پلیٹ فارم یا سوشل میڈیا پر پوسٹ کرنے سے پہلے لکھاری کی اجازت درکار ہو گی۔ "ناولز کلب" کا پی ڈی ایف بغیر اجازت پوسٹ کرنا منع ہے، بغیر اجازت کہانی/پی ڈی ایف کا استعمال کرنے والوں پر سخت کاروائی کی جا سکتی ہے۔ اس کہانی اور اس میں موجود کردار محض تصوراتی ہیں۔ کسی بھی حقیقی کہانی یا انسان سے ان کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔ کسی بھی طرح کی مشابہت کو اتفاق سمجھا جائے۔

"یا اللہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔یا اللہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔" وہ سر مسلسل سجدے میں جھکائے پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا۔"یا اللہ اسے مجھ سے نہ. چھین۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔وہ میرا واحد دوست ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔وہ میرا بھائی ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اسے مجھے لوٹا دے۔۔"۔

ایک ہفتہ قبل:

"امی میں زین کے پاس جا رہا ہوں۔" ازلان نے اپنی گاڑی کی چابی اٹھاتے ہوئے اپنی والدہ ارم کو بتایا۔

"اچھا لیکن جلدی آجانا تمھیں پتہ ہے آج خضر آرہا ہے۔"۔

"جی۔امی جلدی آجاؤں گا۔ابو کہاں ہیں؟"۔

"وہ آفس جا چکے ہیں"۔

"اچھا میں چلتا ہوں۔"۔

عثمان اور ارم کے دو بیٹے تھے۔ایک بیٹا ازلان جو 24 برس کا نوجوان تھا ان کی سگی اولاد تھا۔دوسرا بیٹا خضر انہوں نے ایڈاپٹ کیا تھا۔خضر ازلان سے دو سال بڑا تھا۔شادی کے چار سال تک اولاد نہ ہونے کی وجہ سے انہوں نے خضر کو ایڈاپٹ کیا تھا۔ازلان اپنے والد کا

بزنس دیکھنے ہی کبھی کبھی آفس چلا جایا کرتا تھا۔ازلان دراز قد صاف رنگت گہری بھوری آنکھوں اور گہرے بھورے بالوں والا خوش شکل نوجوان تھا۔اس کے نقوش اپنے والد جیسے تھے۔خضر ڈاکٹر تھا جو کبھی لاہور ہوتا تو کبھی اپنے والدین کے پاس اسلام آباد۔اب بھی خضر لاہور سے دو ہفتے بعد اسلام آباد آ رہا تھا۔۔

"یار زین کدھر رہ گیا تھا؟"۔

آج اسلام آباد میں کافی گرمی تھی۔سورج آگ برسا رہا تھا۔حبس بھی شدید تھی ایسے میں وہ دونوں موسم کی مناسبت سے ہالف سلیوز شرٹ اور پینٹ میں ملبوس تھے۔وہ دونوں اس وقت ایک کیفے میں موجود تھے جہاں ازلان نے زین کو کوئی اہم بات کرنے کے لیے بلایا تھا۔۔

"ٹریفک بہت تھا راستے میں اس لیے دیر ہو گئی تم بتاؤ آج تو خضر آ رہا ہے پھر یہاں کیا کر رہے ہو؟"۔

"ہاں وہ راستے میں ہے ابھی تھوڑی دیر میں پہنچنے والا ہو گا۔"۔

"میں نے بتانا تھا کہ ابو نے مجھے سختی سے کہہ دیا ہے کہ اگلے ماہ سے میں روزان کے آفس جاؤں۔"۔

Clubb of Quality Content

"تو؟"۔

"تو یہ کہ جب تک آزادی ہے کہیں گھوم پھر آئیں۔۔"

"مثلاً کہاں؟۔"

"مری تک ہی چلے جاتے ہیں کیونکہ اس سے زیادہ کی اجازت ناممکنات میں آجاتی ہے۔۔"

"میرے لیے تو مری کی اجازت بھی ناممکنات میں آجاتی ہے۔"

"ہاں ہاں تجھے پہلے پتہ چل گیا ہے کہ اجازت نہیں ملنی؟"

"اچھا یار بات کروں گا لیکن تجھے پتہ ہے کہ اگر میں تیرے ساتھ چلا گیا تو ہمارے ہمسایوں کا تو تجھے پتہ ہی ہے میرے سے تو کوئی دشمنی ہو ان کی جیسے آکر ابو کو کہیں گے لڑکا آوارہ ہو گیا ہے۔"۔

"ہاں تو بولنے دو لوگوں کی اپنے بارے میں آراء کی فکر کرنا ذہنی غلام لوگوں کا کام ہے۔۔"

"ایں؟۔"

"ہاں تو یہ بھی ذہنی غلام ہے ہم سب جو بھی کرتے ہیں یا کوئی چیز بھی خریدتے ہیں تو ہمیں سب سے پہلا خیال یہ آتا ہے کہ اگلا ہمارے بارے میں کیا سوچ گا۔ کوئی کپڑے، کوئی جوتا، کوئی گھڑی خواہ وہ ہمیں کتنی ہی پسند کیوں نا ہو ہم اسے صرف اس لیے چھوڑ دیتے ہیں کہ دوسرے اس پر غلط رائے قائم کریں گے۔ کوئی بھی کام کرنے سے پہلے ہم سوچتے ہیں اگلا اس بارے میں کیا کہے گا۔ ہم سب آزاد انسان ہیں ہمیں ذہنی طور پر بھی آزاد ہونے کی ضرورت ہے۔ دوسری بات ہے کسی کا بلائنڈ فولوور یا کسی سے اوبسیسڈ ہونا ہم کسی سے اس حد تک اوبسیسڈ ہو جاتے ہیں کہ ہم اپنی قوتِ فیصلہ اور پسند ناپسند کو پسِ پشت ڈال کر اپنی پسند ناپسند کو دوسرے کے مطابق ڈھال لیتے ہیں۔ کسی سے اس حد تک اوبسیسڈ یا کسی کا اس حد تک بلائنڈ فولوور نہیں ہونا چاہیے کہ اپنا آپ بھلا کر نعوذ باللہ اس کی پرستش شروع کر دی جائے۔ یہ بھی ذہنی غلامی ہے۔ اس سے آپ صرف اپنی ول پاور سے نکل سکتے ہو کوئی بھی آپ کو اس سے نہیں نکال سکتا۔ ہاں میں یہ نہیں کہہ رہا کہ خود کو ہر فن مولا یا تیس مار خان سمجھ کر دوسرے کو کوئی چیز ہی نہ سمجھا جائے۔ آپ کو کسی شخص کی کوئی خوبی پسند آسکتی ہے آپ کسی کے فین ہو سکتے ہو لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ اپنے آپ کو دوسرے کی رائے کا غلام بنا لو۔ آپ کو سب سے پہلے اپنے آپ پر بھروسہ کرنا چاہیے، آپ کے اندر اعتماد ہونا

چاہیے آپ کے اندر کونفیڈینس ہونا چاہیے اور آپ کے اندر ول پاور ہونی چاہیے۔ تیسری چیز ہے سیلف اسٹیم۔اس کا مطلب ہے خوداعتمادی۔ خود پر بھروسہ کرنا۔ جن لوگوں میں یہ ہوتی ہے انہیں پتہ ہوتا ہے وہ یونیک ہیں وہ ناکارہ نہیں ہیں۔ وہ اپنی قدر کرتے ہیں۔ جن لوگوں میں یہ ہوتی ہے وہ اپنی رائے کو اہم جانتے ہیں۔ جن لوگوں میں سیلف اسٹیم ہوتی ہے وہ اپنی خوبیاں ڈھونڈتے ہیں، اپنی طاقت اور کمزوریاں ڈھونڈتے ہیں اور اپنی کمزوری کو اپنی طاقت بناتے ہیں۔ وہ اپنی ماضی کی غلطیوں سے سیکھتے ہیں، اپنے ماضی کے ٹراماز سے آزاد ہوتے ہیں۔ وہ اپنے آپ میں کافی ہوتے ہیں انہیں دوسروں کی تعریف نہیں چاہیے ہوتی وہ دوسروں کی غلط باتوں کو دل سے نہیں لگاتے۔ اسے ذہن پر سوار نہیں کرتے بلکہ ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکال دیتے ہیں اور باوقار طریقے سے نظر انداز کر دیتے ہیں اور جن لوگوں میں یہ نہیں ہوتی وہ لو سیلف اسٹیم کا شکار ہوتے ہیں۔ یہ عموماً اس وجہ سے ہوتا ہے کہ وہ لوگوں کی اپنے بارے میں بری رائے کو دل سے لگا کر بیٹھ جاتے ہیں اور اس پر بیٹھ کر آنسو بہاتے ہیں۔ یہ ان لوگوں کو ہوتا ہے جو ماضی کے ٹراماز سے نکل نہیں پاتے جن کو مستقبل کا خوف ستاتا رہتا ہے جو رات کو سونے لیٹیں تو انہیں ماضی کے سارے برے واقعات یاد آتے رہیں جنہیں اپنے مستقبل کا خوف ڈرائے رکھے۔ لوگ عموماً کہتے ہیں وہ موٹا ہے، وہ چھوٹا ہے یا اس کے

مارکس اتنے آئے۔ لوگ تو بول کر چلے جاتے ہیں لیکن جو سن رہے ہوتے ہیں ان کے ذہن میں وہ باتیں بیٹھ جاتی ہیں جس کی وجہ سے انہیں ڈپریشن بھی ہو جاتا ہے۔ پینک اٹیکس سے ڈپریشن بنتا ہے۔ پینک اٹیکس کیوں ہوتے ہیں کیونکہ ہمارے ذہن میں ڈر ہوتا ہے۔ آپ رات کو سونے لیٹیں تو آپ کو یاد آتا ہے آپ کا پڑھائی کا اتنا کام رہتا ہے آپ کو پریشانی ہونے لگتی ہے اینگزائیٹی ہونے لگتی ہے اور جب تک آپ وہ کام کر نہیں لیتے آپ کو پینک اٹیکس ہوتے رہتے ہیں۔ آپ ڈپریشن میں مبتلا رہتے ہیں۔ یہ ڈر نکالنا ہے ذہن سے ذہن کو آزاد کرنے کے لیے۔ کچھ برا ہوا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ ساری محنت چھوڑ کر بیٹھ کر آنسو بہانے لگ جاؤ۔ دوسروں کو اپنے دکھ سنا کر ہمدردی لو۔ اس سے صرف آپ اپنے دکھوں کا اشتہار لگاؤ گے اس سے کوئی فائدہ نہیں ہو گا کیونکہ کوئی آپ کا ہاتھ پکڑ کر دکھ سے نہیں نکالے گا اس سے آپ نے خود ہی نکلنا ہے۔ اب آپ نے اس سے نکلنا ہے اپنا ڈر ختم کرنا ہے اپنا سیلف اسٹیم بڑھانا ہے تو آپ کو اپنے آپ کو جاننا ہے۔ کیا چیز آپ کو خوشی دیتی ہے آپ کی خوبی کیا ہے آپ کا ٹیلینٹ کیا ہے۔ اپنے آپ کو دوسرے سے کمپیئر کرنا چھوڑ دو اور مثبت سوچ۔ سوچ مثبت ہو گی تو ہر چیز مثبت ہو گی اینڈ ایوری تھنگ ول بی گڈ۔ لیکن اگر سوچ منفی ہو گی تو ہر چیز منفی لگے گی اور یہ ٹاکسک سائیکل چلتا رہے گا۔"۔

"شکر ہے تیری تقریر ختم ہوئی تجھے بس موقع چاہئیے ہوتا ہے شروع ہونے کا۔"

"اور مجھے یقین ہے کہ تو اندر ہی اندر میری تقریر سے متاثر بھی ہو رہا ہو گا لیکن مجال ہے جو اعتراف کر لے۔۔"۔

"تیری ساری باتیں تو میرے سر کے اوپر سے گزری ہیں لیکن کچھ جو سمجھ آئی ہے کہ یہ جاننا کہ آپ کی خوبی کیا ہے؟ٹیلینٹ کیا ہے؟۔تو بتاؤ تمھاری خوبی کیا ہے؟۔"

"یہی تقریر کرنا۔مجھے اپنی بات سے لوگوں کو قائل کرنے کا فن آتا ہے۔لوگ ہر بات میں دلیل مانگتے ہیں اور مجھے دلیل دینی آتی ہے۔"ازلان نے فرضی کالر جھاڑے۔۔

"تجھے تو وکیل ہونا چاہیے تھا۔نہیں؟"زین نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

"نہیں۔خیر تو بتا تیری خوبی کیا ہے؟۔"۔

"پتہ نہیں۔"بڑی ڈھٹائی سے جواب آیا۔۔

"لو جی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔"اس سے پہلے کہ وہ کچھ بولتا اس کی کال آنے لگی۔۔

"ہیلو!جی بابا؟----------اوکے!آرہا ہوں۔۔"

"کیا ہوا۔؟"

"خضر پہنچ گیا ہے اس لیے بابا گھر جا رہے ہیں اور ایک اہم ڈیل کے لیے مجھے آفس جانے کا حکم دیا ہے۔"

"اچھا! اتنی لمبی تقریر کی اور جس بات کے لیے بلایا وہ کیے بغیر ہی جا رہا ہے۔"

"ابھی آفس جاؤں گا پھر وہاں سے گھر امی ابو کو مناؤں گا تو بھی گھر جا کر منا اس ویک اینڈ کا پلان بناتے ہیں۔ پھر بات کریں گے۔ ابھی میں چلتا ہوں۔"۔

"اچھا ٹھیک ہے میں بات کروں گا پھر بتاؤں گا۔"

"اوکے! اللہ حافظ۔۔"

"اللہ حافظ۔"

پھر ازلان اٹھا اپنی گاڑی کی چابی اٹھائی اور وہاں سے چلا گیا۔۔

زین اور ازلان اسکول سے ایک دوسرے کے ساتھ تھے۔ ان دونوں کی بہت گہری دوستی تھی۔ زین اپنے والدین کا ایک ہی بیٹا تھا اس سے تین سال بڑی بہن منتہیٰ تھی اور وہ عام بہن بھائیوں کی طرح اپنی بہن کو آپی بولنے کا تکلف نہیں کرتا تھا۔ اس کی بہن سافٹ ویئر انجینئر تھی۔ زین دراز قد صاف رنگت کالے بالوں اور سرمئی آنکھوں والا خوش شکل

نوجوان تھا۔ زین اپنی والدہ کا لاڈلہ اور منتہیٰ اپنے والد کی لاڈلی تھی لیکن مسئلہ یہ تھا کہ زین کی والدہ وفات پا چکی تھیں اسی لیے اسے اپنے مری جانے پر یقین نہیں تھا۔۔ زین قدرے ڈرپوک اور کافی حد تک سیلف اوبسیسڈ لڑکا تھا۔۔

"بابا میں نے اور ازلان نن ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔نے ایک پلان بنایا ہے۔"زین نے ہچکچاتے ہوئے اپنے والد کو مخاطب کیا۔۔

"بولو۔۔"

"وہ ہم نے مری جانے کا پلان بنایا ہے دو تین دن کے لیے چلے جائیں؟"

"کوئی ضرورت نہیں ہے۔"۔

"بابا پلیز۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔پلیز۔۔پلیز ززز ز۔"وہ منت بھرے لہجے میں بولا۔۔

"نہیں۔۔"

تقریباً آدھے گھنٹے بعد وہ ازلان کو فون کرتا نظر آرہا تھا۔۔

"ہاں ہیلو کیا ہوا؟۔"۔

"بابا کی طرف سے انکار ہوا۔۔"۔

"کیوں؟۔"

"کیوں کیا مطلب میں نے منانے کی کوشش کی اور انہوں نے منع کر دیا۔۔"۔

"بے وقوف تجھے انکل کے پاس جانے کے لیے کس نے کہا تھا تو منتہیٰ آپی کی منتیں کر۔۔"۔

"پھر تو پکا انکار سمجھو اس سے کہا نہ تو فوراً پہنچ جائے گی بابا کے پاس اور دوستوں کے ساتھ باہر جانے کے ایک سو ایک نقصانات بتا آئے گی۔۔"

"یار تو جا تو سہی۔"

"اچھا جا رہا ہوں۔تو کہاں ہے؟"۔

"میں وہ اہم ڈیل فائنل کر کے یعنی کامیاب ہو کر گھر جا رہا ہوں اور اسی کا ریوارڈ مری جانے کی اجازت مانگوں گا۔۔"

"اچھا ٹھیک ہے۔۔"

"منتہیٰ آپی! اندر آ جاؤں۔"وہ مسکینوں والی شکل بنا کر دروازے میں آ کھڑا ہوا۔۔

"کام بولو۔"وہ لیپ ٹاپ پر کام کر رہی تھی مصروف انداز میں بولی۔۔۔

وہ دراز قد اور زین جیسے نقوش کی حامل خوبصورت لڑکی تھی۔۔

"ارے واہ! آپ کو کیسے پتہ چلا۔"یہ کہہ کر وہ اندر داخل ہوا۔۔

"بابا سے کہہ کر مری جانے کی اجازت دلوادو۔۔"۔

"مجھے کیا ملے گا؟۔"

"لو جی رہی ندیدی ہی پھر۔" وہ آہستہ آواز میں بڑبڑایا۔۔

"کچھ کہا تم نے؟۔"

"نہیں میری جرأت کچھ بولوں۔اچھا میں کہہ رہا تھا چاکلیٹ کا ڈبہ دوں گا۔۔"۔

"پہلے ڈبہ لاکر میری ٹیبل پر رکھو پھر آگے بات ہوگی"

"لادوں گا نہ پہلے بات کردو۔"

"تم جارہے ہو چاکلیٹ لانے یا میں تمہارے پلان پر پانی پھیر دوں۔"

"نہیں نہیں جارہا ہوں جارہا ہوں۔" وہ جلدی جلدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔۔

تھوڑی دیر بعد وہ کمرے میں داخل ہوتا ہوا بولا۔

"لے آیا ہوں چاکلیٹ اب جاؤ۔" اس نے چاکلیٹ کا ڈبہ ٹیبل پر رکھتے ہوئے کہا۔۔

"جارہی ہوں۔" وہ اٹھتے ہوئے بولی۔۔۔

ابھی بمشکل پانچ منٹ ہی گزرے تھے کہ منتہیٰ واپس آتی دکھائی دی۔۔

"کیا ہوا؟ کیا ہوا؟ کیا ہوا؟۔"

"مان گئے ہیں وہ۔"اس نے فرضی کالر جھاڑے۔۔

"واہ! جو کام میں آدھے گھنٹے میں نہیں کر سکا وہ تم نے پانچ منٹ میں کر لیا۔۔"حیرانی سے استفسار کیا گیا۔۔۔

"بس دیکھ لو۔ چلو اب شکل گم کرو۔ دماغ نہ خراب کرو۔۔"

"ہاں تمہارا پہلے چھوٹا سا دماغ ہے کہیں ختم نہ ہو جائے۔اور تم جلتی ہو مجھ سے مجھ جتنی حسین نہیں ہو نہ تم۔"وہ چمک کر بولا۔۔

"ٹھیک ہے میں جا رہی ہوں بابا کو منع کرنے۔۔"

"نہیں نہیں جا رہا ہوں۔ تم کیوں خود کو زحمت دے رہی ہو۔۔"

"سلام زین!"ازلان کرسی پر بیٹھتا ہوا بولا۔۔۔

آج موسم کل سے قدرے بہتر تھا بادل آئے ہوئے تھے۔ سورج بادلوں کے پیچھے چھپ گیا تھا۔وہ دونوں اسی کیفے میں موجود تھے جہاں کل بیٹھے تھے۔۔

"وعلیکم السلام۔"

"مل گئی اجازت۔؟۔"

"منتہیٰ نے دلوائی اجازت مجھے تو نہیں دے رہے تھے بابا۔" وہ منہ بنا کر گھر میں اپنی عزت کے بارے میں بتانے لگا۔۔

"خیر مجھے بھی مل گئی اجازت۔۔"۔

"تجھے کیسے ملی؟۔"

ایک رات قبل:

"سلام امی ابو!" ازلان گھر میں داخل ہوتا ہوا بولا۔۔

"وعلیکم السلام ہو گئی ڈیل؟۔" عثمان اس کے سلام کا جواب دیتے ہوئے بولے۔

"ہاں جی ہو گئی اور اسی خوشی میں میں آپ سے کچھ مانگنا چاہتا ہوں۔۔"

"بولو۔"

"میں اور زین دو تین دن کے لیے مری جانا چاہتے ہیں۔چلے جائیں؟۔"

"ٹھیک ہے چلے جاؤ لیکن جلدی واپس آنا۔۔"

"تھینک یو ابو۔" وہ ان کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گیا اور وہ اس کے بالوں میں ہاتھ چلانے لگے۔

دو آنکھوں نے یہ منظر حاسد نظروں سے دیکھا تھا جس سے ازلان انجان تھا۔۔

حال:

"واہ واہ! تجھے تو بڑی آسانی سے اجازت مل گئی۔"زین نے ستائشی انداز میں ابرو اچکاتے ہوئے کہا۔۔

"بس میری گھر میں عزت ہے۔"ازلان نے فخر سے گردن کڑاتے ہوئے کہا۔۔

"ہاں میری بھی۔"زین نے اپنا بتانا ضروری سمجھا۔۔

"دیکھی ہے میں نے تیری عزت۔"اس نے جتانے والے انداز میں کہا۔۔

"خیر کب جانا ہے اور کب آنا ہے؟"زین نے فوراً سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا۔۔۔

"جمعہ کو جائیں گے اتوار یا سوموار کو واپس۔باقی گھومتے رہیں گے ادھر ہی۔"

"یار لیکن ایک مسئلہ ہے۔"زین نے افسوس سے سر ہلاتے ہوئے کہا۔۔

"کیا؟"اس کے انداز پر ازلان بھی پریشان ہو گیا۔۔

"یار وہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔"

"وہ کیا؟۔"

"وہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔"

"اب بول بھی چکو۔" وہ غصے سے بولا۔

"یار وہ مری والے میرے حسن کو نظر نہ لگا دیں۔" وہ پریشانی سے بولا۔۔

"مر جا زین۔ پریشان ہی کر دیا تھا۔" وہ برہمی سے بولا۔۔

"ہاں تو پریشانی کی بات ہی ہے نا اور مرنے کو کون کہتا دماغ ٹھیک ہے تیرا۔" وہ خفا لہجے میں بولا۔۔

"تو ایک کام کر ایک برقہ خرید کر وہ پہن لیں تیرے قیامت خیز حسن سے مری والے ڈر نہ جائیں۔۔"

"جل لے جل لے تیرا بنتا ہے میرے جتنا پیارا نہیں ہے نا تو۔۔"۔

"ہاں بہت ہی حسین ہے تو۔ مجھے معاف کر میں چلا۔" یہ کہہ کر وہ وہاں سے چلا گیا۔۔

"ارے ارے ارے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔بد تمیز انسان۔۔۔ جل ککڑا ہنہہ۔۔"

جمعہ:

مری میں اس صبح خوب بارش برسی تھی پورے آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ ایسے میں وہ دونوں مری میں ہوٹل کا کمرہ بک کروا کر اب مال روڈ پر چل رہے تھے۔ جہاں انہوں نے کمرہ لیا تھا وہ ایک سنسان علاقے میں واقع تھا ایک طرف

چند دکانیں تھیں چھوٹی موٹی چیزوں کی جس سے ذرا آگے جائیں تو مال روڈ آتی اور دوسری طرف سنسان گلیاں تھیں۔۔مال روڈ پر اس وقت انسانوں کا سمندر تھا ایسے میں وہ دونوں ٹھنڈ کے باعث شرٹ ٹراؤزر اور جیکٹ میں ملبوس تھے۔

"برقہ نہیں لیا تو نے دیکھ مری والے نظر لگا رہے ہیں تجھے۔"ازلان جل کر بولا۔۔

"دیکھ لیں اب میری طبیعت خراب ہو جائے گی۔"وہ مصنوعی افسوس سے بولا۔۔

"جا اوئے۔۔"ابھی وہ بول ہی رہا تھا کہ ایک گاڑی سے ایک عمر رسیدہ خاتون نکلیں۔۔

"وہ دیکھ ازلان آنٹی اس عمر میں ڈرفٹیں مار رہی ہیں۔"زین مسکراہٹ دباتا ہوا بولا۔۔

"سیریسلی زین!تو بھی ایج شیمنگ کرتا ہے۔"اس نے زین کو افسوس سے دیکھتے ہوئے کہا۔۔

"کیا ایج شیمنگ؟"اس نے ناسمجھی سے ازلان کو دیکھا۔۔

"ایج شیمنگ یعنی ایک شخص کو اس کی عمر کی وجہ سی کچھ کہنا۔کہاں لکھا ہے کہ بوڑھے لوگ تیار نہیں ہو سکتے یا ڈرائیونگ نہیں کر سکتے۔یہ کسی کو اس کی عمر کی بناء پر جج کرنا ہوتا ہے۔یہ مثال ہی لے لو کہ کسی نوجوان سے کسی چیز پر رائے نہیں لی جاتے یا ان کی ٹھیک رائے کو بھی سنا نہیں جاتا یہ کہہ کر کہ یہ ابھی چھوٹے ہیں انہیں کیا پتہ۔کم از کم ایک دفعہ دیکھ

Clubb of Quality Content

تو لو سن تو لو شاید ہے وہ ٹھیک کہہ رہے ہوں۔ کوئی بوڑھا شخص تیار ہو جائے تو اسے کہا جاتا ہے اپنی عمر دیکھو اپنی خواہشات پوری کرنے کی کوشش کرتا تو اسے جج کیا جاتا ہے اس کا دل توڑا جاتا ہے خواب توڑے جاتے ہیں۔"۔

"یہ دیکھ چپ کر جا۔ جذباتی ہی ہو جاتا ہے۔" زین نے باقاعدہ اس کے آگے ہاتھ جوڑ دیے لیکن ازلان نے تو گویا سنا ہی نہیں۔۔۔

"نہیں یار تو جان خاتون کے سامنے یہ بول کر آ تو تو بول کر آجائے گا دو منٹ میں بھول بھی جاؤ گے تجھے کوئی فرق نہیں پڑے گا لیکن ان خاتون کو فرق پڑے گا تیری یہ بات ان کے دل و دماغ پر نقش ہو جائے گی۔ ان کے اندر جو کونفیڈینس ہو گا وہ چکنا چور ہو جائے گا ڈرائیونگ اگر ان کا شوق ہے اور جوانی میں وہ کسی وجہ سے نہیں کر پائیں اور اب کر رہی ہیں تو وہ اپنے شوق سے دستبردار ہو جائیں گی وہ لوگوں کی باتوں کی وجہ سے اپنی خواہشات پوری نہیں کریں گی ان پر گو اپ کر دیں گی۔۔"

"تجھے بھی تو ہم کہتے ہیں نہ شروع ہوا کر ہر وقت تقریر نہ کیا کر تو تو چپ نہیں ہوتا تو تو لوگوں کی باتوں کو کسی کھاتے میں نہیں لیتا۔۔"

"کیوں کہ ہر کوئی میں نہیں ہوتا۔ مجھے پتہ ہے یہی میرا ٹیلینٹ ہے یہی میری طاقت ہے۔ میں نظر انداز کر دیتا ہوں لیکن اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں ہے کہ مجھے سنائی نہیں دیتا یا میں بھول جاتا ہوں یا مجھے فرق نہیں پڑتا۔ فرق تو پڑتا ہے۔ سب کو پڑتا ہے۔ مجھے بھی پڑتا ہے۔ دکھ بھی ہوتا ہے۔ ذہنی اذیت بھی ملتی ہے لیکن میں گواپ نہیں کرتا۔ میں خود سے پوچھتا ہوں کہ کیا مجھے اس سب سے فرق پڑتا ہے جواب آتا ہے ہاں پڑتا ہے پھر میں پوچھتا ہوں کہ کیا فرق پڑنا چاہیئے جواب آتا ہے نہیں کیوں کہ لوگوں نے تو بولنا ہے ان کو یہی کام ہے۔ ان کے لیے خود کیوں روگ لے کر بیٹھ جانا اور گواپ کر دینا۔ سوچو اگر کوئی تجھے آکر کہے تم بالکل پیارے نہیں ہو بلکہ منحوس ہو؟ بولنے والا تو بول کر چلا جائے گا نروس بریک ڈاؤن تو تجھے ہو گا نا۔"

"تو نے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ تو نے مجھے منحوس کہا؟" زین کو تو صدمہ ہی لگ گیا۔۔

"میں نے مثال دی ہے یار۔" ازلان نے ناگواری سے ٹوکا۔۔

"نہیں تو نے مجھے سنایا۔ جا رہا ہوں میں میرے پیچھے نہ آئیں۔"۔۔

"جا کہاں رہا ہے؟۔"

"ہوٹل جا رہا ہوں۔ تجھے کیا لگا خود کشی کرنے جا رہا ہوں؟"۔

"نہیں خود کشی کا سوچتے ہوئے ہی تیری جان نہ نکل جائے ڈرپوک انسان۔ رک میں بھی آرہا ہوں۔۔"

"میں نے کہا ہے میرے پیچھے نہ آئیں"۔۔

"تیرے پیچھے نہیں آرہا ہوٹل جارہا ہوں آج فٹ پاتھ پر نہیں سونا میں نے۔۔"۔

"چل پھر آگے چل۔" وہ منہ بنا کر رک گیا تا کہ ازلان آگے چلا جائے۔۔۔

"ٹھیک ہے۔" یہ کہہ کر وہ تیز چلنے لگ گیا اور اس سے آگے نکل گیا۔۔۔۔

"ہنہہ بڑا آیا موٹیویشنل اسپیکر"۔ وہ بڑبڑاتے ہوئے اس کے پیچھے ہولیا۔۔

"چلا گیا ازلان مری؟"۔ خضر نے ناشتہ کرتے ہوئے والدین سے پوچھا۔

"ہاں کل چلا گیا تھا شام کو نکلا تھا تم گھر نہیں تھے اس لیے مل نہیں سکا۔"۔۔

"ویسے کیا ضرورت تھی اس کو بھیجنے کی پوچھ سکتا ہوں؟" خضر نے سنجیدگی سے پوچھا۔۔

"وہ جانا چاہتا تھا پھر اس نے ایک اہم ڈیل فائنل کی تھی جس سے میں بہت خوش ہوا تھا۔ وہ ہماری فرم کے لیے بہت اہم تھی۔ اس لیے میں نے اسے بھیجا۔ اسے قائل کرنے کا

فن آتا ہے۔اس نے انعام کے طور پر مجھ سے مری جانے کی اجازت مانگی۔میں نے دے دی۔۔"۔

وہ مسکرا کر فخر سے اپنے بیٹے کی تعریف کر رہے تھے۔ارم بھی اپنے بیٹے کے ذکر پر مسکرادیں۔خضر نہیں مسکرایا۔وہ کم ہی مسکراتا تھا۔ازلان کو جتنا بولنے کا شوق تھا۔خضر اتنا ہی کم گو اور سنجیدہ طبیعت کا مالک تھا۔اس کی رنگت صاف اور آنکھیں اور بال ہلکے بھورے تھے۔۔

"خیر اچھی بات ہے وہ بھی تھوڑا گھوم لے میں نے کہنا تھا کہ میں آج واپس جارہا ہوں۔"۔۔

"کدھر؟۔"

"لاھور۔۔"

"کیوں؟۔"

"کیوں کیا مطلب مجھے کام ہے ازلان کی طرح ویلا نہیں ہوں جو مری کے ٹور پر جارہا ہوں گا۔"اور پھر وہ اس ساری ملاقات میں پہلی دفعہ ہلکا سا مسکرایا۔بالکل ہلکا سا۔۔۔

"یار زین تو نے کبھی سوچا؟۔"

"کیا؟۔"

"کہ وہ خاتون جنہیں تو کل کہہ رہا تھا کہ اس عمر میں گاڑی چلا رہی ہیں۔انہیں ہمارے علاوہ بھی کوئی یہ کہتا ہو گا۔۔"

"پھر تو اچھی بات ہے نا تیرا فی میل ورزن ہیں وہ ایک کان سے سنتی ہیں دوسری سے نکال دیتی ہیں۔۔"

"نہیں یار دیکھ اب میں ایج شیمنگ کی بات نہیں کر رہا۔"

"اچھی بات ہے کریں بھی نہ۔"۔

"اب میں جینڈر شیمنگ کی بات کر رہا ہوں۔ کل جب میں نے تجھے ایج شیمنگ کے بارے میں بتایا تو یہ میرے ذہن میں آیا تھا۔۔"

"یعنی تو پھر سے شروع ہونے لگا ہے؟"۔

"ہاں اب سن چپ کر کے۔۔"

پھر زین نے اپنے کانوں کو سمجھایا کہ کوئی بات نہیں بھائی ہے اپنا تھوڑی دیر بولے گا سن لینا لیکن کیا واقعی تھوڑی دیر اور دوسری طرف ازلان اس کی پرواہ کیے بغیر شروع تھا۔۔

"میں نے بہت سے لوگوں کو جینڈر شیمنگ کرتے دیکھا ہے چلو ہم گاڑی کی مثال ہی لے لیتے ہیں کہ لوگ کہتے ہیں کہ خواتین کو ڈرائیونگ نہیں کرنی چاہیے وہ ٹھوک دیتی ہیں۔ کہاں لکھا ہے کہ صرف عورتیں ٹھوکتی ہیں اور مردوں نے آج تک نہیں ٹھوکی۔ میں مردوں کے خلاف نہیں جا رہا لیکن میں بس یہ کہہ رہا ہوں کہ اگر مرد گاڑی چلا رہا ہو تو اسے نوٹ نہیں کیا جاتا لیکن اگر عورت گاڑی چلا رہی ہو تو فوراً کہا جاتا ہے یہ دیکھو اسے ذرا، کہیں ٹھوک دے گی یہ بھئی کیا آپ کسی کی مجبوری جانتے ہو وہ سنگل مدر ہو سکتی ہے اس کے گھر میں کوئی مرد بھی نہیں ہو سکتا آپ کو کس نے حق دیا اسے جج کرنے کا۔"

"بس یا اور؟۔"

"نہیں ابھی سن کل میں انسٹا یوز کر رہا تھا تو اس کے اوپر ایک بندے کو باڈی شیمنگ کا نشانہ بنایا گیا۔۔"۔

"اب وہ کیا ہے یہ بھی بتائے گا یقیناً۔۔"۔

"ہاں باڈی شیمنگ یعنی ایک شخص کو اس کے موٹاپے یا چھوٹا قد یا کمزور ہونے کی وجہ سے کچھ کہنا۔اب وہ بندہ ذرا ہیلدی تھا تو اس کا مذاق اڑایا جا رہا تھا اور غیر مہذب کمنٹس پاس کیے جا رہے تھے۔آپ کون ہوتے ہو کسی کو جج کرنے والے کوئی موٹا ہے تو آپ کو کیا کوئی

چھوٹا ہے تو آپ کو کیا کسی کا رنگ سانولا ہو تو آپ کو کیا یہ ان کی زندگی ہے جیسے وہ گزارنا چاہتے ہیں انہیں گزارنے دو آپ کو کوئی حق نہیں ہے کہ انہیں جج کرو یا ان پر کمنٹس پاس کرو۔۔"۔

"میں تو جذباتی ہو گیا چپ کر اس سے پہلے کہ میں رو دوں۔" زین نے دکھی ہونے کی اداکاری کرتے ہوئے کمبل منہ تک تان کر لیٹ گیا۔۔ازلان نے گہری سانس لی اور خود بھی اس کے ساتھ لیٹ گیا۔۔۔

"ازلان چل یار باہر چلتے ہیں۔دیکھ کتنے مزے کا موسم ہو رہا۔بوندا باندی ہو رہی ہے۔ چائے پی کر آتے ہیں۔دل چاہ رہا۔"۔

"رات کے ایک بجے تجھے چائے چاہیے بے وقوف انسان۔۔"

"ہاں نہ چل یار پلیزززززز۔"

"اچھا چل"۔۔

ابھی وہ ہوٹل سے تھوڑا دور آئے ہی تھے کہ بارش تیز شروع ہو گئی۔وقفے وقفے سے بجلی کڑکتی اور بادل گرجتے۔جیسے بادل کسی بات پر غم زدہ ہوں، بین کر رہے ہوں، رو رہے

ہوں اور اپنے سارے دکھ بہادینا چاہتے ہوں۔کون جانتا تھا کہ بادلوں کے ساتھ اور کس کس نے غم زدہ ہونا تھا، بین کرنا تھا، کس کو دکھ ملنا اور کس نے درد پانا تھا۔زین نیلی رنگ کی شرٹ اور بلیک ٹراؤزر جبکہ ازلان سفید شلوار قمیض زیب کیے ہوئے تھا۔

"چل جادو چائے لے کر آ۔" ازلان نے اس انداز میں زین کو کہا جیسے وہ اس کا دوست نہیں ملازم ہو۔

"میں کیوں لے کر آؤں؟ تم لے کر آؤ۔" زین نے تو فوراً ہاتھ کھڑے کر دیے۔۔

"ایک تو تیری وجہ سے میں بستر سے اٹھ کر اس بارش میں بھیگا ہوں کہ اس نے چائے ٹھونسنی ہے۔اوپر سے نخرے ایسے دکھا رہا ہے جیسے میرے کہنے آیا ہو۔لانی ہے تو لا نہیں تو واپس چل۔" ازلان ایسے بولا جیسے اس کو چائے لانے کس کہہ کر زین نے گناہِ کبیرہ کر دیا ہو۔۔

"ہاں جیسے تو نے تو نہیں ٹھونسنی نا؟" زین بھی کہاں پیچھے رہنے والا تھا کمر پر ہاتھ باندھ کر لڑاکا عورتوں کی طرح شروع ہو گیا۔۔

"چل واپس تو نے چائے پینی ہی نہیں ہے۔صرف ذلیل کرنا ہے۔۔"

"اچھا جا رہا ہوں۔" وہ منہ بناتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔۔

وہ اپنے ہوٹل کی بائیں جانب جاتی گلی پر موجود دکان سے چائے لینے کے لیے رکے تھے۔ زین دکان کے پاس کھڑا تھا جبکہ ازلان اس سے فاصلے پر دائیں جانب جاتی گلی کو دیکھ رہا تھا۔ مری کی وہ گلیاں اس وقت ہمیشہ کی طرح سنسان پڑی تھی۔ایسے میں ازلان اپنی سوچوں میں گم نظر آتا تھا۔ جب سے وہ مری آیا تھا اسے لگ رہا تھا جیسے کوئی اس پر نظر رکھے ہوئے ہو۔اس نے زین کو بھی بتانا چاہا لیکن وہ یہ سوچ کر رک جاتا کہ اس کا نتیجہ دو ہی صورتوں میں نکلے گا یا تو وہ ڈرپوک پریشان ہو جاتا یا پھر اس کا مذاق اڑانے لگ جاتا۔ بس یہی سوچ کر وہ رک جاتا۔ بارش پورے زور وشور سے برس رہی تھی گویا ہر شے کو دھو ڈالنا چاہتی ہو، بادل اپنے سارے دکھ بہا دینا چاہتے ہوں۔ابھی بھی لگ رہا تھا کوئی اس پر نظر رکھے ہوئے ہو لیکن ہمیشہ کی طرح اپنا وہم سمجھ کر خیال جھٹک دیا کہ وہاں ایک بچہ آیا اور اس کا بازو ہلایا تب وہ اپنے خیالوں سے نکلا اور چونک کر اس کی طرف متوجہ ہوا جو حلیے سے غریب لگتا تھا۔پھٹے پرانے کپڑے، جوتے، میلا چہرہ۔۔

"کیا ہوا؟" ازلان نے تعجب سے اسے دیکھا۔۔

"میرے بابا کو بچا لیں۔" اس کی آنکھوں میں نمی دیکھ کر ازلان ٹھہر گیا۔۔

"کیا ہوا ہے تمہارے بابا کو؟۔"

"وہ مر رہے ہیں۔۔"

"کہاں ہیں وہ؟۔"

"میرے ساتھ آئیں۔" وہ بچہ دائیں سمت چلا گیا جہاں پر اسرار سی خاموشی اور سنسانیت تھی۔۔

ازلان بھی اس کے پیچھے چل دیا لیکن پھر رک گیا۔پسِ منظر میں خطرے کی گھنٹی بج رہی تھی جیسے کوئی اندر سے جھنجوڑ رہا ہو کہ 'ازلان مت جاؤ'۔۔

"میں ذرا اپنے دوست کو بتادوں۔"۔

"چلو وہ مر جائیں گے۔" اس بچے کی آنکھوں سے گرم سیال بہنے لگا۔ازلان نے ایک نظر بچے کو دیکھا اور ایک نظر پیچھے مڑ کر زین کو۔ وہ اس کی طرف متوجہ نہ تھا۔اس نے گہری سانس لی اور بچے کے پیچھے چل دیا۔اندر سے آتی تمام آوازیں دم توڑ گئیں جیسے انہوں نے ازلان کو اس کے حال پر چھوڑ دیا ہو۔ وہ چند گلیاں مڑے اور پھر وہ بچہ ایک دم رک گیا جیسے سفر تمام ہوا ہو جیسے منزل آگئی ہو۔ وہ ایک سنسان گلی تھی جہاں ہلکی ہلکی روشنی تھی اور ارد گرد پہاڑ تھے۔ جب بچہ ازلان کی طرف مڑا تو ازلان نے دیکھا اس کی آنکھیں خشک تھیں۔۔

"کہاں ہے تمہارا باپ؟۔" وہ بلند آواز میں بولا۔۔

"خوش آمدید! خوش آمدید! ازلان خانزادہ خوش آمدید!"۔ازلان ایک جھٹکے سے پیچھے مڑا۔اس آواز کو تو وہ لاکھوں کے مجمعے میں بھی پہچان سکتا تھا۔اس کے سامنے ایک نقاب پوش کھڑا تھا۔اس کی آنکھیں بھی ویسی ہی تھیں یا شاید۔۔۔۔۔۔ نہیں وہ تو کسی اور کی آنکھیں تھیں۔ان آنکھوں کو تو وہ پہچانتا ہی نہیں تھا۔اس نقاب پوش نے بچے کو آنکھ سے اشارہ کیا تو وہ دوڑتا ہوا اس کے پاس آیا، کچھ پیسے لیے اور وہاں سے بھاگ گیا جیسے وہاں آیا ہی نہیں تھا۔اور پھر اس نقاب پوش نے ایک جھٹکے سے نقاب ہٹایا اور اسے دیکھ کر ازلان ساکت ہو گیا۔ وہ وہی تھا۔ ہاں وہ وہی تھا۔وہ اس کا بھائی خضر ہی تھا۔ لیکن ازلان خضر کو دیکھ کر ساکت نہیں ہوا تھا وہ اس گن کو دیکھ کر ساکت ہوا تھا جو خضر نے اس پر تانی ہوئی تھی۔ازلان وہاں سے بھاگ جانا چاہتا تھا لیکن قدم زنجیر ہو گئے۔اتنے سخت زنجیر گویا ایک قدم بھی آگے پیچھے نہ ہل سکتے ہوں۔۔

"تت تم۔۔۔۔۔۔۔ تم یہاں کیا کر رہے ہو؟" نا جانے کیوں ازلان کی زبان لڑکھڑا رہی تھی۔ کسی انہونی کا احساس ہو رہا تھا۔۔

"ارے ارے بھائی ڈر کیوں رہے ہو؟دیکھو میں تو صرف تم سے ملنے آیا ہوں ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔یا شاید آخری دفعہ ملنے آیا ہوں۔"وہ پراسرار انداز میں کہتا گن ہاتھ میں گھماتا آہستہ آہستہ قدم آگے اٹھارہا تھا اور ازلان پیچھے۔ازلان کا چہرہ لٹھے کی مانند سفید تھا گویا سارا خون نچڑ چکا ہو۔وہ اس چہرے کو نہیں پہچانتا تھا وہ ان آنکھوں کو نہیں پہچانتا تھا۔یہ تو کسی اور کا چہرہ تھا۔یہ تو کسی اور کی آنکھیں تھیں۔یہ اس کا بھائی نہیں تھا۔اس کے بھائی کی آنکھوں میں تو ہمیشہ اس کے لیے محبت ہوتی تھی لیکن آج تو وہاں چبھن تھی، نفرت تھی اور۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اور حسد تھا۔اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے خضر نے گن والا ہاتھ فضا میں بلند کیا اور فائر کیا۔۔

"آہھھھھھ۔"ایک دلخراش چیخ ازلان کے حلق سے برآمد ہوئی۔گولی اس کی ٹانگ پر لگی تھی۔وہ لڑکھڑا کر نیچے گرا۔چہرہ اٹھا کر اوپر خضر کو دیکھا تو آنکھوں میں آنسو تھے، شکوہ تھا، تکلیف تھی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔درد تھا۔اسے نہیں پتہ تھا کس چیز نے زیادہ درد دیا گولی نے یا بھائی کی طرف سے لگنے والی گولی نے۔زیادہ درد کہاں ہوا ٹانگ پر یا دل پر۔۔

"کیوں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کیوں خضر؟"آنسو ٹپ ٹپ آنکھوں سے گرنے لگے۔۔

خضر اس کو سامنے پنجوں کے بل بیٹھا تو ازلان نے دیکھا اس کی آنکھوں میں بھی آنسو تھے۔۔

"تم نے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔تم نے ازلان مجھ سے میرے بابا چھینے ہیں۔ تمہاری وجہ سے انہوں نے مجھے کبھی وہ اہمیت نہیں دی جس کا میں حقدار تھا۔"۔وہ تکلیف سے کہہ رہا تھا۔۔

"میں نے ہمیشہ ان کی بات مانی۔ تم نے اپنی من مانی کی۔ تم نے ہمیشہ وہ کیا جو تم نے چاہا۔ میں نے ہمیشہ وہ کیا جو انہوں نے کہا جو انہوں نے چاہا۔ میں نے اس دنیا میں سب سے زیادہ بابا سے محبت کی ہے۔اتنی تو خود سے بھی نہیں کی۔"آنسو اس کی آنکھوں سے گر کر تھوڑی میں جذب ہو رہے تھے۔۔

"وہ چاہتے تھے کہ کوئی ایک ڈاکٹر بنے انہوں نے تم سے کہا تم نے انکار کر دیا تم نے کہا تم بزنس پڑھنا چاہتے ہو۔ میں بھی بزنس پڑھنا چاہتا تھا۔ میں ڈاکٹر نہیں بننا چاہتا تھا۔ تم نے ان سے بزنس کے حوالے سے بات کی انہوں نے اپنا بزنس تمہیں سونپ دیا۔ میں نے ان سے پوچھا انہوں نے کہا تمہاری مرضی ہے۔انہوں نے پل میں مجھے اجنبی کر دیا ازلان ایک دفعہ بھی نہیں کہا کہ میں چاہتا تھا میری اولاد ڈاکٹر بنے۔ کیا نہیں لگا تھا میں بھی تمہاری طرح انکار کر دوں گا یا انہوں نے مجھے اپنی اولاد سمجھا ہی نہیں۔"وہ زخمی سا مسکرایا۔۔

"میں ڈاکٹر بنا انہوں نے ایک دفعہ نہیں کہا کہ تم نے میری خواہش پوری کی۔ میں نے ہمیشہ انہیں تمہیں پیار کرتے دیکھا۔ تمہارے ساتھ ہنستے مسکراتے دیکھا۔" اس کا لہجہ تلخ اور آواز بلند ہو گئی۔

"انہوں نے تم سے بھی محبت کی ہے خضر۔ لیکن تم نے صرف اپنی آنکھوں پر حسد کی پٹی باندھ رکھی ہے۔ وہ اتار کر تو دیکھو۔ تم صرف منفی سوچ رہے ہو۔ مثبت سوچو گے حسد کی پٹی اتارو گے تو سب دکھے گا نا۔" وہ شدتِ تکلیف سے بمشکل بول پا رہا تھا۔

"شٹ اپ! جسٹ شٹ اپ! تمہاری اس بکواس میں باقی سب آجاتے ہوں گے لیکن میں میں خضر خانزادہ ہوں۔ مجھے اپنی کسی چیز میں شراکت پسند نہیں جو بھی ہمارے درمیان آئے گا اسے نکلنا ہو گا ہنس کر نہیں تو رو کر، اپنی مرضی سے یا جبراً ورنہ مجھے نکالنا آتا ہے۔ میں نے چھوڑ دیا تمہیں میں لاہور چلا گیا زیادہ وقت وہیں گزارنے لگ گیا کہ شاید کبھی کبھی جاؤں تو مجھے بھی وہ اہمیت ملے جو تمہیں ملتی ہے لیکن میں غلط تھا ازلان۔ میں ہمیشہ ایک سیکنڈ آپشن تھا، ہوں اور جب تک تم ہو رہوں گا لیکن اگر تم ہی نہ رہے رہو تو۔" بجلی بہت زور سے کڑکی ایک لمحے کو ہر سو روشنی چھا گئی۔ بارش ابھی تک پورے آب و تاب سے برس رہی تھی اور تب ازلان نے دیکھا کہ وہ اس کے بھائی کا چہرہ نہیں تھا۔ وہ تو ایک حاسد کا چہرہ تھا۔ اور اس

وقت ازلان کو لگا کہ ارد گرد کے تمام پہاڑ اسے تمسخر سے دیکھ رہے ہوں۔ بادل اس کی قسمت پر آنسو بہا رہے ہوں اور افسوس کر رہے ہوں۔ارد گرد موجود ہر شے دوسری کو اشارہ کر رہی ہو کہ دیکھو اس ازلان کو جسے لگتا تھا کہ ہر انسان اس کی قسمت پر رشک کر رہا ہو آج اتنا بے بس ہو گیا کہ اپنے ہی بھائی کے ہاتھوں مر رہا تھا۔۔

"تم میرے بھائی تھے خضر۔"اور یہ صرف ازلان جانتا تھا کہ اس نے کس اذیت سے یہ الفاظ کہے تھے۔دونوں کے چہرے تر تھے آنسوؤں سے بھی اور بارش سے بھی۔۔

"ہابیل یا قابیل۔"اس نے اتنے سرد انداز میں کہا کہ ازلان کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی دوڑ گئی۔۔

"قابیل مت بنو خضر۔"اس نے افسوس سے کہا۔اسے لگتا تھا کہ اسے موت سے ڈر نہیں لگتا وہ الگ ہے لیکن وہ غلط تھا جب موت سر پر ہو تو ڈر تو لگتا ہے اس کو بھی لگ رہا تھا۔ لیکن زیادہ تکلیف اس بات کی تھی کہ مارنے والا اپنا بھائی تھا۔۔

"ہابیل تو تم ہو نہ قابیل تو پھر مجھے ہی بننا پڑے گا نا۔میں ازلان تمہیں زہر بھی دے سکتا تھا میں لڑکے ہائر بھی کر سکتا تھا تمہیں مارنے کے لیے لیکن تب وہ مزہ نہ آتا میں نے کہا اس بار تمہارے طرح کھیلتے ہیں بول کر بتا کر فیس ٹو فیس۔"وہ ہلکا سا مسکرایا۔۔

"اگر تم پہلے دو کام کر لیتے تو اتنی تکلیف نا ہوتی خضر تکلیف اب ہو رہی جب اپنا بھائی مار رہا ہے۔۔ کم از کم انجان تو رہتا۔۔" جب وہ یہ الفاظ بولا تو اس کی آواز بھیگی ہوئی تھی۔۔

"You too Brutus?"

"تمہیں مرنا ہو گا ازلان۔ تمہاری جگہ نہیں ہے اب۔ تم صرف اذیت ہو۔ تمہیں قربانی دینی ہو گی۔ میں جو کر رہا ہوں مجھے اس پر کوئی افسوس نہیں ہے جتنی بار موقع ملے گا یہی کروں گا۔" یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا اور یکے بعد دیگرے تین گولیاں اس کے سینے میں اتار دیں۔ ازلان منہ کے بل زمین پر گر گیا۔ اس کے بعد سب کچھ سلو موشن میں ہوا۔ اس نے خضر کو کچھ بولتے دیکھا لیکن آواز سنائی نہ دیتی تھی صرف لب ہلتے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔ پھر اس کے قدم دور جاتے گئے۔ پھر وہ آہستہ آہستہ غنودگی میں جاتا گیا۔ ہر طرف اندھیرا چھاتا گیا۔ گھپ اندھیرا۔ ہر طرف سناٹا چھاتا گیا۔ موت کا سا سناٹا۔۔

اور پھر ازلان نے غنودگی میں جانے سے قبل اپنے ذہن کے پردے پر ایک منظر کو لہراتے دیکھا۔۔

جب لگا تھا تیر تو اتنا درد نہ ہوا غالب

زخم کا احساس تب ہوا جب کماں دیکھی اپنوں کے ہاتھوں میں۔۔

وہ ایک ٹھنڈی سردیوں کی دوپہر تھی۔یہ وہ وقت تھا جب ازلان اور زین یونیورسٹی میں ہوتے تھے ان دونوں نے ٹی شرٹ پر جیکٹ اور پینٹ پہن رکھی تھی۔وہ اس وقت اپنی یونیورسٹی کے گراؤنڈ میں بیٹھے تھے جب زین نے ازلان سے پوچھا۔

"حسد کیا ہوتا ہے ازلان ؟۔"

"جو آپ کے پاس نہیں ہوتا اسے کسی دوسرے کے پاس دیکھ کر اس سے چھن جانے کی خواہش کرنا۔۔"

"تو حسد غلط کیسے ہے مطلب یہ تو سب کو ہی ہوتا؟"اس نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔۔

"وہ اس طرح غلط ہے کہ اس میں ایک چیز کا دوسرے سے چھن جانے کی خواہش ہو رہی ہے اور حسد تو ہر ایک کو ہوتا ہے اہم یہ ہے کہ اس کے بعد کیا کیا جاتا ہے۔۔"

"کیا مطلب ؟۔"

"مطلب یہ کہ کسی کے پاس ایک چیز دیکھ کر وہی اپنے لیے مانگ لینا بجائے کہ اس سے چھن جانے کی خواہش کرنا۔یہ ٹھیک ہے لیکن پتہ ہے غلط کیا ہے ؟۔"

"کیا؟۔"

"حسد میں جادو کروانایا۔۔۔۔۔۔۔۔۔"

"یا؟۔"

"یا قتل کر دینا۔۔"

دوسری طرف زین جو چائے لے کر مڑا تو ازلان کو نہ پا کر آگ بگولا ہو گیا۔ وہ غصے میں ہوٹل کی طرف گیا اور دھاڑ سے کمرے کا دروازہ کھولا لیکن خالی کمرہ اسے منہ چڑھا رہا تھا۔ اس نے ساتھ رکھی میز پر چائے کے دونوں کپ رکھے اور بالکونی چیک کی پھر باتھ روم لیکن کوئی ہوتا تو ملتا نا۔ اس نے اپنا فون ڈھونڈا اور ازلان کو کال ملائی۔ فون بج رہا تھا لیکن کال نہیں اٹھائی جا رہی تھی۔ اب کہ وہ واقعتاً پریشان ہو گیا تھا۔ مختلف واہموں نے اسے گھیرا لیکن اس نے سر جھٹک دیا۔۔

"کیا فضول سوچ جا رہا ہوں۔ ادھر ہی کہیں چھپا ہو گا۔۔" وہ واپس وہیں چلا گیا جہاں اس نے ازلان کو چھوڑا تھا لیکن وہ کہیں بھی نہیں تھا۔ اس نے ارد گرد دیکھا اور پھر ہمت پکڑ کر انہی سنسان گلیوں کی طرف چل دیا جہاں ازلان گیا تھا۔ ساتھ ساتھ وہ ازلان کو کال بھی ملا رہا تھا۔ ابھی وہ ایک آدھ کلومیٹر ہی چلا تھا کہ اسے ازلان کے فون کے بجنے کی آواز آئی۔ وہ

Clubb of Quality Content

فوراً آواز کی سمت دوڑا لیکن پھر جو منظر اس نے دیکھا وہ اس کے قدموں تلے زمین کھینچنے کے لیے کافی تھا۔۔

خضر نے ازلان پر گولیاں چلانے کے بعد اپنا فون پاور آف کر دیا تھا اور پھر وہ اپنی گاڑی میں بیٹھا اور چند گھنٹے بے مقصد مری اور گرد و نواح میں گاڑی گھماتا رہا اور پھر اس نے گاڑی اسلام آباد کی طرف موڑ دی۔ اس کا چہرہ بالکل بے تاثر تھا۔ جیسے وہ بالکل بے حس ہو گیا ہو۔ قتل کرنے سے انسان کے جسم کا ایک حصہ مر جاتا ہے۔ اس کی آنکھیں سپاٹ تھیں لیکن چہرہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ چہرہ بالکل سفید تھا جیسے کسی مردہ کا ہو۔ لیکن اسے کوئی افسوس نہیں تھا۔ اسے لگتا تھا اب سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ وہ اپنے باپ کو اتنی محبت دے گا کہ وہ ازلان کو بھول جائیں گے اور صرف خضر کے ہوں گے۔۔

وہ غلط تھا۔ ایک قیامت اس نے برپا کی تھی ایک اس کی منتظر تھی۔۔۔

زین نے ازلان کو خون میں لت پت دیکھا۔ وہ گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھ گیا۔ وہ شل تھا شاک تھا۔ اور پھر وہ فوراً ازلان کی طرف لپکا۔۔

"ازلان! ازلان!" وہ پوری قوت سے چلایا۔ بارش رک چکی تھی لیکن زین کی آنکھوں سے برسات جاری تھی۔ اس نے ازلان کی نبض چیک کی۔ وہ چل رہی تھی۔ اس نے فوراً

ازلان کو اٹھایا اور ہسپتال لے گیا۔ اسے آپریشن تھیٹر میں لے جایا گیا۔ وہ باہر بیٹھا بچوں کی طرح زارو قطار رو رہا تھا۔ ہسپتال کی وہ راہداری سنسان تھی۔ سرد اور سنسان۔ باہر بیٹھے زین کو لگ رہا تھا کہ اندر موجود تمام اوزار اس کے سینے پر چل رہے ہوں۔ اس کا سینہ تنگ ہو رہا تھا۔ اسے سانس نہیں آرہا تھا۔ وہ فوراً پریئر ہال کی طرف بھاگا۔ وضو کیا اور نفل ادا کیے اور پھر سجدے میں گر کر رونے لگا۔۔۔

"یااللہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ یااللہ۔۔۔" وہ مسلسل سر سجدے میں جھکائے پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا۔ "یا اللہ اسے مجھ سے نہ چھین۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ وہ میرا واحد دوست ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔ وہ میرا بھائی ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اسے مجھے لوٹا دے۔۔" اور پھر وہ تقریباً آدھا گھنٹہ سجدے میں گرا روتا رہا اور جب وہ واپس آیا تو اس نے دیکھا کہ دو ڈاکٹرز آپریشن تھیٹر سے باہر نکل رہے تھے۔ زین ان کی طرف بڑھا۔ قدم من من کے بھاری ہو رہے تھے۔ اسے لگا اگر اس نے کوئی بری خبر سنی تو وہ وہیں گر جائے گا۔ کبھی اُٹھ نہیں پائے گا۔ وہ مر جائے گا۔ سب کچھ سلو موشن میں ہو رہا تھا۔ اس نے خود کو کہتے سنا

"ازلان؟" پھر اس نے ڈاکٹر کو کہتے سنا۔

"وی آر سوری۔ ہی از نو مور۔ ہم نے بہت کوشش کی لیکن نہیں بچا پائے ان کا خون کافی بہہ چکا تھا۔" وہ زین کا کندھا تھپتھپا کر آگے بڑھ گئے۔اور زین۔۔۔وہ وہیں کھڑا رہ گیا بالکل ساکت جیسے برف کا مجسمہ ہو۔ سرد اور سنسان راہداری میں۔وہ نہیں گرا۔نہ ہی مرا۔ مرنے والوں کے ساتھ مرا تھوڑی جاتا ہے۔۔

' اِنا للہ وَاِنا اِلیہِ رَاجِعُون'

جب ازلان کی میت کو ایمبولینس میں ڈال کر اسلام آباد لایا جا رہا تھا تو زین بھی ایمبولینس میں موجود تھا آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے لیکن لب بالکل خاموش تھے گویا سلے ہوں۔۔ایمبولینس میں موجود ہر چیز ان دو دوستوں کو دیکھ رہی تھی لیکن زین صرف ازلان کو دیکھ رہا تھا جس کی آنکھیں بند تھیں۔ ہمیشہ کے لیے بند۔اس کے ذہن میں ازلان کے ساتھ گزارے ماہ و سال آ رہے تھے۔ کبھی مارگلہ کی پہاڑیوں پر ہائیکنگ کرنا، ازلان کا عادت کے مطابق تقریر شروع کر دینا اور زین کا اس کو چپ کروانے کے لیے اس کے آگے ہاتھ جوڑ دینا، پڑھائی کا کچھ پوچھنے کے لیے ایک دوسرے کو کال کرنا لیکن پڑھائی کے علاوہ ہر بات کرنی، زین کا اپنے آپ کو دنیا کا سب خوبصورت لڑکا کہنا اور ازلان کا تپ جانا اور اس وقت

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

زین کو اپنی اور ازلان کی ایک ملاقات یاد آئی جب وہ دونوں مارگلہ پر ہائیکنگ کرنے گئے تھے۔۔اور اس واقعہ کو سوچتے ہوئے آج زین نے ایک فیصلہ لے لیا تھا۔۔

خضر جب واپس اسلام آباد پہنچا تو اس وقت صبح کے سات بج رہے تھے۔پورے گھر سے رونے کی آوازیں آرہی تھیں۔وہ جانتا تھا کہ کون مرا ہے لیکن وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ اس کے گھر میں ایک نہیں دو اموات ہوئی ہیں۔جب اس نے کفن میں لپٹے دوسرے شخص کو دیکھا تو اس کا دل دھڑکنا بھول گیا،پلک جھپکنا بھول گئی اور منہ ادھ کھل گیا۔۔

بخت کے تخت سے یکلخت اتارا ہوا شخص۔

کیا تم نے دیکھا ہے کبھی جیت کے ہارا ہوا شخص۔

جب زین ازلان کی میت کو اسلام آباد لے کر آیا تو ہر طرف گویا قیامت ٹوٹ پڑی۔

معروف بزنس مین عثمان خانزادہ کا بیٹا ازلان خانزادہ اس دنیا سے جا چکا تھا۔جوان موت تھی۔

ہر دل دکھی تھا۔ہر آنکھ آنسو بہا رہی تھی۔لیکن عثمان خانزادہ کو جوان بیٹے کی موت کا شدید

Clubb of Quality Content

صدمہ لگا۔انہیں ہارٹ اٹیک ہوا۔زین انہیں فوراً ہسپتال لے کر گیا لیکن وہ راستے میں ہی دم توڑ گئے تھے۔۔

کیا مرنے والوں کے ساتھ واقعی مرا جاتا ہے؟۔

مغرب کے بعد عثمان اور ازلان کی نمازِ جنازہ ادا کی گئی اور پھر تدفین کے بعد آہستہ آہستہ سب چلے گئے لیکن دو نفوس ایسے بھی تھے جو ابھی تک ان نئی قبروں کے گرد بیٹھے تھے۔ ایک زین تھا جس کی نظریں ازلان کی قبر پر جمی تھی جبکہ دوسرا خضر تھا جس کی نظریں عثمان کی قبر پر جمی تھی۔دونوں کی آنکھوں سے برسات جاری تھی،دونوں ہی ٹوٹے ہوئے تھے، دونوں تکلیف میں تھے،دونوں میں اٹھنے کی سکت نہیں تھی،دونوں ہی دکھ میں تھے،دونوں کو درد ہوا تھا۔

"وہ مجھے کیوں چھوڑ گیا خضر؟۔"۔

"وہ مجھے کیوں چھوڑ گئے زین؟۔"۔

"مجھے لگا تھا میں اس کے بغیر زندہ نہیں رہ پاؤں گا۔۔۔"

"مجھے لگا تھا میں ان کے بغیر زندہ نہیں رہ پاؤں گا۔۔"۔

"وہ اتنی جلدی کیوں چلا گیا؟ابھی تو ہم نے اکٹھے بہت سے کام کرنے تھے۔"۔

"وہ اتنی جلدی کیوں چلے گئے ابھی تو میں نے انہیں دنیا جہاں کی خوشیاں دینی تھی ان کے دکھ سمیٹنے تھے۔۔"۔

"مر جائے وہ جس کی وجہ سے میرا دوست مجھے چھوڑ کر چلا گیا۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔۔

"آمین ثم آمین۔" خضر نے آنکھیں بند کر لیں اور آنسوؤں کو بہنے دیا۔۔

وہ سب کے لیے درد کی رات تھی۔۔

ازلان جس نے اپنے بھائی کو اپنا دشمن بنا دیکھا۔۔

خضر جس نے اتنا سب کر کے بھی سب کچھ گنوا دیا۔۔

زین جس نے اپنا بھائیوں جیسا دوست کھو دیا۔۔

کسی کا سفر تمام ہوا۔۔

کسی کی داستان تمام ہوئی۔۔

کیسے سنائیں تم کو ہم قصہِ سُکھ۔

کہ ہم تو صرف درد لیے بیٹھے ہیں

پوچھتا ہے کوئی حال تو ٹال دیا کرو

کہ دکھوں کا اشتہار لگایا نہیں کرتے۔

(از خود)

دو سال بعد:

"قابیل مت بنو خضر۔۔"

پچھلے دو سالوں کی طرح آج پھر سماعت میں وہ آواز سنائی دی۔ایک جھٹکے سے خضر کی آنکھ کھلی۔ وہ فوراً بستر سے اترا اور دروازے سے جا لگا۔اس کا جسم پسینے سے شرابور تھا اور تنفس تیز تھا۔۔۔

"قابیل مت بنو خضر۔۔"آواز پھر سے سنائی دی۔۔

"معاف کردو مجھے۔ بہک گیا تھا میں۔ چھوڑ دو میرا پیچھا۔ تھک گیا ہوں میں۔ معاف کردو۔"وہ پوری قوت سے چلایا۔۔

"معاف کردو مجھے۔"وہ وہیں زمین پر بیٹھتا چلا گیا۔آنسو آنکھ سے برابر بہہ رہے تھے۔

"ماردے کوئی مجھے۔ جان لے لے کوئی میری۔ تکلیف میں ہوں میں۔ ذہنی مریض بن رہا ہوں۔مار دو مجھے۔"وہ ہزیانی انداز میں چلا رہا تھا۔۔

خضر نے اپنی والدہ کے سامنے یہ اعتراف کر لیا تھا اور ان سے معافی بھی مانگی تھی لیکن انہوں نے منع کر دیا اور کہا کہ تمہاری سب سے بڑی سزا یہی ہے کہ جب تم صبح اٹھو گے تو تمہیں پتہ ہو گا کہ تمہارے بھائی اور باپ کا خون تمہارے ہاتھوں پر ہے۔ میں تم پر کوئی کیس نہیں کروں گی یہی تمہاری سزا ہو گی اور وہ یہ سزا کاٹ رہا تھا۔ ارم کو عثمان اور ازلان کی وفات کے بعد ان کے بھائی اپنے ساتھ کراچی لے گئے تھے۔۔

"آج ہم بات کریں گے کہ ذہنی غلامی کیا ہوتی ہے۔۔"

وہ ایک سیمینار میں شرکت کے لیے آیا تھا جب لوگوں نے اس سے پوچھا کہ ذہنی غلامی کیا ہوتی ہے کیونکہ وہ اس پر بہت زور دیتا تھا۔۔

"ذہنی غلامی ہوتی ہے کسی کی رائے کا غلام بن جانا یا کسی دوسرے کی رائے کو اپنی پر فوقیت دینا۔ ہم سب کہنے میں تو آزاد ہیں لیکن کیا واقعی ہم آزاد ہیں؟ کیا ہم کوئی چیز خریدنے سے پہلے یہ نہیں سوچتے کہ دوسرا کیا سوچے گا کیا ہم کوئی کام کرنے سے پہلے یہ نہیں سوچتے کہ دوسرا اس پر کیا رائے دے گا۔ یہ ذہنی غلامی ہے۔ اگر ہم نے اس سے نکلنا ہے تو ہمیں

اپنے آپ پر بھروسہ ہونا چاہیے۔ہم اپنے آپ میں کافی ہونے چاہئیں ہمیں کونفیڈینٹ ہونے کے لیے کسی کی تعریف کی ضرورت نہیں ہونی چاہیے۔ہمیں کسی کی رائے کا غلام نہیں ہونا چاہیے۔ہمیں ذہنی طور پر بھی آزاد ہونے کی ضرورت ہے۔۔اینی کویسچن؟"

پھر کچھ دیر لوگ اس سے سوالات کرتے رہے وہ جواب دیتا گیا پھر کچھ دیر بعد سیمینار اپنے اختتام کو پہنچا جب اسے اپنے پیچھے کسی کی آواز سنائی دی۔۔

"سر۔۔۔زین سر۔۔۔"اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو ایک پندرہ سولہ سالہ لڑکی بھاگتی آرہی تھی۔۔

"سر میں آپ کی بہت بڑی فین ہوں۔آپ میرے فیورٹ موٹیویشل اسپیکر ہیں۔آپ کا اوٹو گراف ملے گا؟۔"

"شیور۔"

اس لڑکی کو اوٹو گراف دینے کا بعد آگے چلتے ہوئے اس نے فون آن کیا تو سامنے وال پیپر پر اس کی اور ازلان کی تصویر لگی ہوئی تھی جب وہ مارگلہ میں ہائیکنگ کرنے گئے تھے۔

اس تصویر کو دیکھتے ہوئے وہ اس شام میں واپس چلا گیا تھا جس نے اس کے لیے آگے کا فیصلہ آسان کر دیا تھا۔۔

Clubb of Quality Content
ناولز کلب

وہ دونوں ٹریل۔تھری میں ہائیکنگ کر رہے تھے جب زین نے ازلان سے پوچھا۔۔

"ازلان تیری سب سے بڑی خواہش کیا ہے؟۔"

"میری سب سے بڑی خواہش ہے کہ لوگ ذہنی طور پر بھی آزاد ہو جائیں کوئی انہیں بتانے والا ہو کہ تمہارے لیے تمہاری رائے کافی ہونی چاہیے تمہیں کسی اور کی تعریف کی ضرورت نہیں ہونی چاہیے تمہیں اللہ نے آزاد انسان بنایا ہے ذہنی طور پر بھی آزاد ہو جاؤ۔ کوئی ہو جو انہیں یہ سب بتائے بے شک وہ میں نہ ہوں۔۔کل کو میں نہیں ہوں گا تو کوئی تو ہو۔"۔

"اوئے بس کر یہ بوڑھوں والے ڈائیلاگ میں نہیں ہوں گا۔" منہ بگاڑ کر اس کی نقل اتاری۔

"خیر تم بتاؤ تمہاری سب سے بڑی خواہش کیا ہے؟۔"

"یہی کہ مجھے مسٹر یونیورس کا ٹائٹل دیا جائے۔ یہ کہہ کر اس نے دو تین دفعہ پلکیں جھپکائیں۔۔

"مارلی بو نگی؟۔"

"ہاں۔" پھر ڈھٹائی سے دانت نکالے۔۔۔

Clubb of Quality Content!

پھر وہ دونوں آگے بڑھتے گئے لڑتے لڑتے ہنستے ہنستے۔۔

زین کو ماضی سے اس کے فون کی آواز نے کھینچ کر نکالا جو مسلسل بج رہا تھا۔اس نے گال پر لڑھکتے آنسو کو ہاتھ کی پشت سے صاف کیا اور فون اٹھایا۔۔

"وعلیکم السلام۔۔۔۔۔۔۔ جی۔۔ جی بول رہا ہوں۔ کب ہے آپ کا سیمینار۔۔۔۔۔۔۔۔اچھا میں کوشش کروں گا۔۔۔۔جی۔۔۔۔۔۔۔جی۔۔۔۔"

اور پھر اس کے قدم آگے جاتے گئے اور ماضی پیچھے رہ گیا۔۔

As you all know every End is a new Beginning

Clubb of Quality Content!

مزید بہترین ناول/افسانے/آرٹیکل/مختصر کہانیاں اور معیاری شاعری پڑھنے کے لئے نیچے دیئے گئے لنک پر کلک کریں۔

شکریہ!

www.novelsclubb.com

ناول کلب
Clubb of Quality Content!

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔تو ہم سے رابطہ کریں۔

ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔

آپ اپنا لکھا ہوا ناول،افسانہ،شاعری،ناولٹ،کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں ورڈ فائل یا ٹیکسٹ فارم میں میل کریں

novelsclubb@gmail.com

آپ ہمارے فیس بک،انسٹا پیج اور واٹس ایپ کے ذریعے بھی ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں۔

FB PAGE:

NOVELSCLUBB

INSTA:

NOVELSCLUBB

WHATSAPP:

03257121842